اسلام کا جمہوری نظام

از

(جناب کپٹن محمد قطب الدین احمد صاحب)

(۲)

رائے عامہ کا اختیار جس طرح اربابِ حل وعقد اور ملت کو خلیفہ کے انتخاب کا حق حاصل ہے، اسی طرح اگر وہ احکامِ اسلامی کی خلاف ورزی کرے یا اس کی وجہ سے نظم ونسق میں خرابی واقع ہو تو اس کو معزول بھی کیا جا سکتا ہے شرح مواقف جو اہل سنت کی موثق ترین کتاب ہے، اس کی تفصیل اس طرح پر کی گئی ہے:۔ "قوم کو حق حاصل ہے کہ کسی سبب سے خلیفہ کو معزول کر دے۔ مثلاً اس سبب سے کہ مسلمانوں کے حالات، امورِ دین، اور انتظامات وتدابیر اس کے باعث خلل پذیر ہو جائیں۔ جس طرح کہ اس کو خلیفہ کے تقرر وانتخاب کا حق امورِ اسلامیہ کے نفاذ واجراء کے لئے تھا اسی طرح معزولی کا بھی ہے۔ اگر اس کی معزولی سے فتنہ برپا ہو تو پھر معزولی اور خلل احوال مسلمین ان دونوں میں سے جس کا ضرر کم ہو، اس کو برداشت کر لیا جائے گا۔"

مرضیٔ عامہ معلوم کرنے کے طریقے خلیفہ کے عزل ونصب سے متعلق اسلام کے یہ چند بنیادی اصول ہیں ان کو پیش نظر رکھتے ہوئے حالات وضروریات کے لحاظ سے مختلف طریقے اختیار کئے جا سکتے ہیں، بشرطیکہ ان سے معقول طور پر یہ معلوم کیا جا سکتا ہو کہ جمہور قوم کا اعتماد کس شخص کو حاصل ہے۔ اس وقت کے ماحول کے لحاظ سے جو بہتر سے بہتر طریقہ ہو سکتا تھا وہ اختیار کیا گیا۔ اسلام ہر معاملہ میں سارا زور اصل وروح پر دیتا ہے، ذرائع ووسائل پر نہیں۔ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ (۵: ۴۸) اصل چیز جس پر توجہ مبذول کرنی چاہیئے، نیکی کے کام ہیں تمام اعمال ورسوم انھی کے لئے ہیں، ہر ملک اور زمانے

کے مطابق یہ بدلتے رہتے ہیں۔ احوال وظروف حسب بدلیں گے توان میں بھی یقینی طور پر تغیر واقع ہوگا۔ اس زمانہ کے لحاظ سے ہمارا پارلیمینٹ ہاؤس مسجد نبوی تھی، مجلس شوریٰ دو ایوانی مجلس تھی، مہاجرین وانصار اس کے ارکانِ خاص تھے، اور عامۂ مسلمین اس کے ارکانِ عام تھے، اور الصلوٰۃ جامعہ اس مجلس کے انعقاد کا اعلان تھا۔

اسلام اور موجودہ طریقوں کا باہمی فرق اسلام محض سر شماری پر زور نہیں دیتا، اس کے نزدیک اربابِ حل وعقد اور اصحابِ فہم وتمیز کی آرار کو زیادہ وزن و وقعت حاصل ہے، جو وقت کے تقاضوں، صورتِ حال کی نزاکتوں، اور معاملات کی پیچیدگیوں کو سمجھنے کی استعداد رکھتے ہوں۔ آج کل ہر زید و بکر سے جو رائے لی جاتی ہے اس میں ہوتا کیا ہے چند منفعت پیشہ افراد جو اپنے مستقل مفادات رکھتے ہیں اپنی جداگانہ ٹولیاں ترتیب دیتے ہیں اور بے زبان انسانوں کا ایک انبوہ اپنے گرد جمع کر لیتے ہیں، جنھیں کسی قسم کا سیاسی شعور نہیں ہوتا، جو اپنی کوئی آزادانہ رائے نہیں رکھتے، جو ان کا لیڈر کہتا ہے وہی ان کی آواز ہوتی ہے۔ زیادہ سے زیادہ آراء حاصل کرنے کے لئے مختلف ہتھکنڈے استعمال میں لائے جاتے ہیں۔ کبھی ان کو پیسوں سے خریدا جاتا ہے، کہیں جھوٹے وعدوں اور سبز باغ دکھا کر انھیں حاصل کیا جاتا ہے، اور کہیں اعلیٰ نظریات اور معتقدات پیش کر کے عوام کو بے وقوف بنایا جاتا ہے۔ جہاں یہ صورتِ حال ہو، کیا یہ ممکن ہے کہ کسی موزوں و مناسب آدمی کا انتخاب ہو سکے۔ جو شخص خود اپنے لئے کسی منصب کا آرزومند ہوگا، وہ یقیناً خائن ثابت ہوگا، اس سے بے لاگ اور بے لوث خدمات کی کبھی توقع نہیں کی جا سکتی۔ جن لوگوں کا اصل مقصد جاہ طلبی، مفاد پرستی، اور ہوسِ اقتدار ہو وہ سچے خدمت گذار کیسے ہو سکتے ہیں۔ اسلام میں سیادت خدمت گذاری کا دوسرا نام ہے۔ "سید القوم خادمھم"

سروری در دین ما خدمت گری است عدلِ فاروقی و فقرِ حیدری است

اگر سیادت و امارت کے لئے پوری سختی کے ساتھ یہ معیار قائم کر دیا جائے، اور ہر شخص کو اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کا احساس ہو، تو پھر دیکھئے کہ اس کے کتنے خواہشمند اور دعویدار پیدا ہوتے ہیں اپنا جگر خون کرنے، اپنے عیش و آرام کو خیرباد کہنے اور اپنے جان و مال کو ایک اعلیٰ نصب العین پر قربان

کرنے کے لئے کون آگے بڑھتا ہے۔ خلفائے راشدین کی طرح اگر احساسِ ذمہ داری ہو، جو راتوں کی نیند اپنے پر حرام کرکے، رعایا کی خبر گیری اور اُن کے درد اور دکھ میں شریک ہونے کے لئے راتوں کو گشت کیا کرتے تھے۔ بیت المال سے اگر ایک اونٹ گم ہو جاتا تو عین دوپہر کی سخت دھوپ میں خود تلاش کرتے پھرتے۔ اگر ملک میں قحط پڑجاتا تو خود بھی وہی معمولی غذا کھاتے جو عام افرادِ ملک کو اس وقت میسر آرہی ہو، اگرچہ ان کا معدہ اس کو قبول نہ کرتا ہو۔ جو اپنے اخراجات ومصارف حضرت عمرؓ کی طرح اس بے نفسی کے ساتھ قوم کے سامنے پیش کریں کہ مجھے بیت المال سے کتنا لینا چاہیئے، دو جوڑے کپڑے، ایک جاڑے اور ایک گرمی کے لئے، ایک سواری جس پر حج وعمرہ ادا کرسکوں، اور قریش کے ایک متوسط الحال آدمی کے اخراجاتِ طعام کے برابر اپنے اور اہل وعیال کے لئے اخراجاتِ طعام، اس کے بعد میں ایک ادنیٰ مسلمان ہوں، جو ان کا حال ہے وہی میرا حال ہے[1]۔ جو اپنے مرضِ موت میں اپنا سارا وظیفہ بیت المال میں اس لئے واپس کردے کہ جس خدمت کا اس کو یہ معاوضہ ملتا رہا اس کی ذمہ داریوں اور فرائض سے یہ کما حقہٗ عہدہ برآنہ ہوسکا۔ ایک روز دورانِ مرض میں حضرت صدیقؓ نے دریافت فرمایا کہ مجھ کو بیت المال سے کل وظیفہ اب تک کتنا ملا ہے، حساب کیا گیا تو چھ ہزار درہم ہوئے۔ ہدایت کی کہ میری فلاں زمین فروخت کرکے بیت المال کا روپیہ واپس دے دیا جائے۔ چنانچہ زمین بیچ کر روپیہ واپس کر دیا گیا۔ آپ نے یہ بھی تحقیقات کی کہ خلافت کے بعد میرے مال میں کیا اضافہ ہوا ہے، معلوم ہوا کہ ایک حبشی غلام ہے، جو بچوں کو کھلاتا اور اسی کے ساتھ مسلمانوں کی تلواروں کو صیقل بھی کرتا ہے۔ ایک اونٹنی ہے جس پر پانی لایا جاتا ہے، اور ایک سوا روپیہ کی چادر، وصیت کی کہ یہ سب چیزیں خلیفۂ وقت کے پاس پہنچا دی جائیں۔ رحلت کے بعد جب یہ اشیاء حضرت عمر کے پاس آئیں تو ان کی آنکھیں اشکبار ہوگئیں، اور کہا کہ اے ابوبکر تم نے اپنے جانشینوں کے واسطے کام بہت دشوار کردیا۔ ایک مرتبہ حضرت عمر نے اپنے خطبہ میں خلیفہ اور اہل ملک کے حقوق مالی کی تفصیل اس طرح فرمائی۔ "تمہارے مال کی اور میری مثال ایک یتیم کے مربی کی طرح ہے۔ اگر میں مستغنی ہوں گا تو کچھ نہ لوں گا اور اگر محتاج ہوں گا تو حسب دستور کچھ کھانے کو لے لوں گا۔ لوگو! مجھ پر تمہارے چند

[1] طبقات ابن سعد

حقوق ہیں، جن کا تم کو مجھ سے مطالبہ کرنا چاہیئے۔ مجھ پر تمہارا حق ہے کہ ملک کا خراج اور مالِ غنیمت بے جا طور سے جمع نہ کروں۔ مجھ پر تمہارا حق ہے کہ جب میرے ہاتھ تمہارا اخراج و غنیمت آئے تو وہ ناجائز خرچ نہ ہو، مجھ پر تمہارا حق ہے کہ میں تمہارے وظائف میں اضافہ کر دوں۔"[1]

جذبۂ خدمت گذاری و شیوۂ جاہ طلبی

ان ساری ذمہ داریوں کو اپنے کندھوں پر اُٹھانے، اور رعایا کے حقوق کی نگرانیوں کا نام حکومت ہے۔ کسی ایک فرد یا مجموعۂ افراد، جن کے ہاتھوں میں عنانِ اقتدار ہو، ان کی عیش کوشیوں، کام جوئیوں اور نشاط آفرینیوں کا حکومت ذریعہ نہیں۔ جیسا کہ انسان کی ہوس پرستیاں اور تن آسانیاں اس کو سمجھتی رہی ہیں اور اب تک اسی پر عمل پیرا ہیں، خواہ اس کا رنگ شخصی ہو یا جمہوری، یا اشتراکی۔

زمامِ کار اگر مزدور کے ہاتھوں میں ہو، تو پھر — طریقِ کوہکن میں بھی وہی حیلے ہیں پرویزی

صرف ناموں کے بدل جانے سے اصل حقیقت میں کچھ فرق نہیں آتا۔ اقبال نے بالکل سچ کہا ہے۔

ہے وہی سازِ کہن، مغرب کا جمہوری نظام — جس کے پردوں میں نہیں غیر از نوائے قیصری
دیوِ استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب — تو سمجھتا ہے، یہ آزادی کی ہے نیلم پری
گرمیِ گفتار اعضائے مجالس الاماں — یہ بھی اک سرمایہ داروں کی ہے جنگِ زرگری

اس سرابِ رنگ و بو کو گلستاں سمجھا ہے تو
آہ اے ناداں قفس کو آشیاں سمجھا ہے تو

کیوں ایک صدرِ حکومت یا اس کی مشینری کے ارکان ایک متوسط الحال اہلِ ملک سے زیادہ عیش و تنعم کی زندگی گذاریں۔ یہ ظاہری طمطراق، بیش قرار مشاہرات، عالی شان محلات، لذیذ و مرغن اغذیات، اور دیگر سینکڑوں شان و تمکنت کے سرو سامان کیا حکومت کے لئے ناگزیر ہیں؟ کیا ان کے بغیر حکمرانی نہیں کی جا سکتی؟ کیا رعب و داب حکومت بدون ان لوازمات کے برقرار نہیں رہ سکتا؟ یہاں حضرت عمر کے اس واقعہ کی یاد اپنے ذہن میں تازہ کر لیجئے جب کسریٰ کا سفیر آپ سے

---

[1] کتاب الخراج، قاضی ابو یوسف)

ملنے آیا تھا اور آپ ایک درخت کے سایہ تلے فرشِ خاک پر محو استراحت تھے۔ جوں ہی اس کی نظر دنیا کے اس انسان پر پڑی جس کی ہیبت و جبروت سے تختِ قیصر و کسریٰ لرز رہے تھے، دم بخود ہو کر رہ گیا اور اپنے اوسان میں اس وقت تک نہ آیا، جب تک کہ اس کی ہر طرح پر تسلی نہ کردی گئی۔ مولانا روم نے اپنی مشہور مثنوی میں اس کو نظم کیا ہے، جس کا ایک شعر یہ ہے :-

ہیبت حق است، ایں از خلق نیست ہیبت ایں مردِ صاحبِ دلق نیست

حقیقی رعب و جلال شخصیت اور ذاتی قابلیت کا ہوتا ہے جس کے پیچھے صداقت کارفرما ہوتی ہے، یہ عظمت و کبریائی کی جھوٹی نمائشیں جسم کو تو ڈرا سکتی ہیں مگر دل پر ان کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

حکمراں کی حیثیت ایک امین کی سی ہوتی ہے۔ وہ ان امانتوں کو اس کے حق داروں تک پہنچاتا ہے، جو اس کے تفویض کی گئی ہیں۔ اس کی حیثیت ایک ریوڑ کے رکھوالی کی سی ہوتی ہے جس کی دیکھ بھال اس کے اصل مالک نے چند روز کے لئے اس کے ذمہ سونپی ہو۔ کیا ایسے اُجرت پر کام کرنے والے ملازم گلہ بان کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ ان بھیڑوں کے گوشت و خون سے اپنی تن پروری کرتا رہے۔ جیسا کہ میں بارہا کہتا آیا ہوں کہ سیادت بجز خدمت گذاری کے اور کوئی دوسری چیز نہیں۔ جو شخص حکومت کی ان ذمہ داریوں کو باحسن وجوہ پوری کرے گا، وہ حکمرانی اور سیادت کا اصلی حقدار ہوگا، نہ کہ وہ جو جاہ طلب اور اقتدار پرست ہو۔ اگر آج یہ ترغیبات، امتیازات، اور لوازمات حکومت سے علیحدہ کردیئے جائیں تو کتنے ملک و قوم کی خدمت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والے خود کو ان منصبوں کے لئے پیش کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام خلیفہ کے لئے بیت المال سے کسی مالی تفوق و برتری، یا ضروریاتِ زندگی میں عام افرادِ ملک سے کسی قسم کی فضیلت و امتیاز کا روادار نہیں۔ جب ترغیب و تحریص کی ان تمام چیزوں کا سرے سے خاتمہ کردیا جائے گا تو یقیناً ان خدمات کے لئے ایسے پاکیزہ نفس، بلند کردار، اور بے لوث خدمت گذار ہاتھ آئیں گے جن سے ملک و قوم کو خوش حالی و ترقی نصیب ہوگی۔

حکومت کے فرائض حکومت کا یہ اولین فرض ہے کہ کسی شہری کو بنیادی ضروریات سے محروم نہ ہونے

دے اسی غرض سے اسلام میں زکوٰۃ فرض کی گئی ہے۔ جس کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ" ان کے مالداروں سے لی جائے گی اور ان کے محتاجوں میں تقسیم کردی جائے گی"۔ ایک دوسری حدیث میں حضورؐ کا فرمان ہے کہ حکومت ہر اس شخص کی ولی (دستگیر و مددگار) ہے، جس کا کوئی ولی نہ ہو۔ ایک اور مقام پر اس کی ان الفاظ میں وضاحت فرمائی گئی ہے،" جس مرنے والے نے ذمہ داریوں کا کوئی بار، مثلاً قرض یا بے سہارا کنبہ، چھوڑا ہو وہ ہمارے ذمہ ہے۔

اس معاملہ میں اسلام مسلمانوں اور ذمیوں میں بھی کوئی فرق و امتیاز نہیں کرتا۔ حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ کسی ذمی کو بھیک مانگتے ہوتے دیکھا۔ اس کا وظیفہ بیت المال سے مقرر فرماتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا کہ خدا کی قسم ہم نے اس کے ساتھ انصاف نہ کیا کہ جوانی میں اس سے فائدہ اُٹھایا اور بڑھاپے میں اُس کے حال پر چھوڑ دیا۔ یہ معاشی و معاشری عدل و انصاف کی چند مثالیں تھیں جن کی بنا اسلام کے اصولِ مساوات ہیں۔

آزادیٔ ضمیر ورائے | آزادیٔ ضمیر ورائے کا یہ عالم تھا کہ مملکت کا ایک معمولی فرد خلیفہ کو برسرِ محفل ٹوک دیتا تھا، اور اس کا حکم ماننے سے اس وقت تک انکار کرتا تھا جب تک کہ وہ اس کے عائد کردہ الزام سے اپنی بریت ثابت نہ کردے۔ ایک مرتبہ مالِ غنیمت میں چند چادریں آئیں اور سب کو مساوی طور پر تقسیم کردی گئیں۔ حضرت عمرؓ دراز قامت تھے کسی طرح اس مختصر پارچہ میں ان کا کرتہ تیار نہ ہوسکتا تھا۔ خطبہ کے وقت اسی کپڑے کا کرتہ آپ زیبِ تن کئے کچھ احکام صادر فرمارہے تھے۔ ایک شخص نے اُٹھ کر اعتراض کیا کہ جب تک یہ نہ معلوم ہو کہ آپ کو یہ پارچہ زائد کس طرح ملا ہے ہم حکم ماننے کے لئے تیار نہیں۔ شبلی نے اس تاریخی واقعہ کو نہایت مؤثر انداز میں نظم کیا ہے، جس کو ہم یہاں پیش کرتے ہیں :-

ایک دن حضرت فاروقؓ نے منبر پہ کہا ۔۔۔ میں تمہیں حکم جو کچھ دوں تو کروگے منظور
ایک نے اُٹھ کے کہا یہ کہ نہ مانیں گے کبھی ۔۔۔ کہ ترے عدل میں ہم کو نظر آتا ہے فتور
چادریں مالِ غنیمت میں جو اب کے آئیں ۔۔۔ صحنِ مسجد میں وہ تقسیم ہوئیں سب کے حضور

ان میں ہر ایک کے حصہ میں فقط اک آئی | تھا تمہارا بھی وہی حق کہ یہی ہے دستور
اب جو یہ جسم پہ تیرے نظر آتا ہے لباس | یہ اسی لوٹ کی چادر سے بنا ہوگا ضرور
مختصر تھی وہ ردا، اور ترا قد ہے دراز | ایک چادر میں ترا جسم نہ ہوگا مستور
اپنے حصہ سے زیادہ جو لیا تو نے تو اب | تو خلافت کے نہ قابل ہے نہ ہم ہیں مامور
گرچہ وہ حد مناسب سے بڑھا جاتا تھا | سب کے سب مہر بہ لب تھے پہ امانت و جہ ذکور
روک دے کوئی کسی کو یہ نہ رکھتا تھا مجال | نشۂ عدل و مساوات سے تھے سب مخمور
اپنے فرزند سے فاروق معظم نے کہا | تم کو ہے حالتِ اصلی کی حقیقت پہ عبور
تمہیں دے سکتے ہو اس کا مری جانب سے جواب | کہ نہ بکڑے مجھے محشر میں مرا رب غفور
بولے یہ ابن عمر سب سے مخاطب ہو کر | اس میں کچھ والد ماجد کا نہیں جرم و قصور
ایک چادر میں جو پورا نہ ہوا ان کا لباس | کر سکی اس کو گوارا نہ مری طبع غیور
اپنے حصہ کی بھی میں نے انھیں چادر دے دی | واقعہ کی یہ حقیقت ہے کہ جو تھی مستور

نکتہ چیں نے یہ کہا اُٹھ کے، کہ ہاں اے فاروق
حکم دے ہم کو، کہ اب ہم اسے مانیں گے ضرور

اپنی خلافت کے عین عروج و شباب میں جب کہ قیصر و کسریٰ کے تخت و تاج آپ کے قدموں تلے روندے جا رہے تھے، منبر پر تشریف فرما ہوئے، اور عام مسلمانوں کی جرأت و صداقت کا اندازہ لگانے کے لئے یہ ارشاد فرمایا، اے گروہ حاضرین اگر میں دنیا کی طرف مائل ہو جاؤں تو تم مجھ سے کیا سلوک کروگے۔ ایک شخص نے تلوار سونت لی اور کہا ہم اس سے تمہاری اصلاح کریں گے، آپ نے فرمایا کیا تم میرا سر قلم کردوگے، اس نے کہا ہاں، اگر تم راہِ راست پر نہ آؤ تو تمہارے ساتھ یہی عمل کیا جائے گا۔ آپ تحکمانہ انداز میں اس کو خوب ڈانٹتے رہے اور وہ بھی بلاخوف ترکی بہ ترکی جواب دیتا رہا۔ جب آپ کو اس کا یقین ہو گیا کہ یہ اپنے اظہار میں جھوٹی نمائش سے کام نہیں لے رہا ہے تو آپ کی زبان پر حمد و ثنا جاری ہو گئی اور ان الفاظ میں اللہ کا شکر ادا کیا کہ میری رعیت میں

ایسے لوگ موجود ہیں کہ اگر میں کج رو ہو جاؤں تو وہ نہ صرف مجھے درست کر سکتے ہیں بلکہ ایسوں کے وجود ہی سے اسلام کو پاک کر سکتے ہیں۔

حضرت عمر نے جب چاہا کہ مہر کا تعین کر دیں تاکہ لوگ اس معاملہ میں مبالغہ سے کام نہ لیں تو ایک بوڑھی عورت اٹھ کھڑی ہوئی اور آپ کو مخاطب کر کے یہ کہا اے عمر! اللہ سے ڈر، تجھ کو کیا حق حاصل ہے کہ ہماری حق تلفی کرے جب کہ خود خدا نے اس کی مقدار متعین نہیں فرمائی بلکہ یہ فرمایا کہ عورتوں کو ان کے مہر میں حسب استطاعت جتنا چاہے دے سکتے ہو۔ یہ سن کر آپ اپنے اس ارادہ سے باز رہے کہ آج عمر پر ایک عجوزہ نے فتح پائی اور اس کی غلطی سے اسے آگاہ کیا۔

تقسیم اراضی شام و عراق کی بابت جب اختلاف آرا ہوا تو حضرت عمر فاروق نے ایک خطبہ دیا اور یہ فرمایا، میرا ہرگز یہ منشا نہیں کہ تم میری خواہش کا اتباع کرو، کیوں کہ میں تم ہی میں کا ایک شخص ہوں اور تمہارے برابر، تمہارے سامنے اللہ کی کتاب موجود ہے جو ناطق بالحق ہے۔ واللہ اس معاملہ میں میں نے اپنی رائے ظاہر نہیں کی بلکہ اس امر حق کی طرف مراجعت کی ہے جس کا ثبوت آیت، وَالَّذِيْنَ جَآءُوْا مِنۢ بَعْدِهِمْ سے ملتا ہے۔ تقسیم اراضی مفتوحہ کے تمام صحابہ موید تھے۔ صرف حضرت عمر، عثمان، علی و طلحہ اس کے مخالف تھے۔ جب خلیفہ وقت نے اس آیت سے استدلال فرمایا تو سب نے تقسیم نہ کرنے کی رائے کو تسلیم کر لیا۔

خلفا کا طریق شوریٰ پر عمل | زہری روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر اپنی مجلس شوریٰ میں نوجوانوں اور بوڑھوں سب کو جمع کرتے تھے۔ بسا اوقات آپ ان سے مشورہ کیا کرتے اور یہ فرمایا کرتے کہ علم نہ بوڑھوں کا حصہ ہے اور نہ جوانوں کا مگر اللہ جس کے سینہ کو چاہتا ہے اس کے لئے کھول دیتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس جو نہایت کم سن تھے، حضرت عمر ان کی اصابتِ رائے کے سبب ان کو ہر مجلس میں شریک فرماتے۔ یہ اپنی کم سنی کے سبب کبھی پس و پیش کرتے تو آپ ان کی ہر طرح حوصلہ افزائی فرماتے۔ یہاں فطری عقل و ذہانت دیکھی جاتی تھی، ایسے نا اہلوں کو یہاں بار نہ ملتا تھا، جو اپنی دولت و ثروت کے زور پر قوم کی نمائندگی کرتے ہیں، جو آج کل کی جمہوریتوں کی ایک عام خصوصیت ہے۔

منائع معنی بیگانہ از دوں نظرتاں جوئی — زموران شوخیِ طبعِ سلیمانے نمی آید

گریز از طرزِ جمہوری، غلام پختہ کارے شو — کہ از مغزِ دو صد خر فکرِ انسانے نمی آید

عہدِ خلافت راشدہ میں جن اہم معاملات کے تصفیہ کے لئے شوریٰ کے تاریخی اجلاس ہوئے، وہ مندرجہ ذیل تھے۔

(۱) شورائے سقیفۂ بنی ساعدہ (سنہ ۱۱ ہجری) ریاستِ عامہ کے پہلے صدر کا انتخاب اسی شوریٰ میں ہوا۔

(۲) شورائے جیشِ اسامہ (سنہ ۱۱ ہجری) پیغمبرِ اسلام نے اپنے آخری لمحات میں جلیل القدر صحابؓ کا ایک لشکر ایک انیس سالہ نوجوان کے زیرِ سرکردگی ترتیب دیا تھا۔ وصالِ مبارک کے بعد خلیفۂ اول حکمِ نبوی کی تعمیل میں اس کو روانہ کرنا چاہتے تھے۔ اس رائے پر غور کے لئے یہ شوریٰ منعقد ہوا تھا۔

(۳) شورائے مانعینِ زکوٰۃ (سنہ ۱۱ ہجری) صدیقِ اکبر نے بحیثیت صدرِ حکومت اس معلہ کے قابلِ بحث پہلوؤں کو رائے عامہ کے سامنے رکھا۔

(۴) دوسرا انتخابی شوریٰ (سنہ ۱۳ ہجری) خلیفۂ اول نے مرضِ موت میں اپنے جانشین کے انتخاب کے لئے مجلسِ حکومت سے مشورہ کیا اور اس کے بعد عام مسلمانوں سے منظوری حاصل کی۔

(۵) شورائے محاذِ عراق (سنہ ۱۳ ہجری) عراق پر دوسری فوجی مہم روانہ کرنے کے لئے خلیفۂ وقت نے اس میں مشورت کی۔

(۶) شورائے میثاق بیت المقدس (سنہ ۱۵ ہجری) اہالیانِ بیت المقدس کی تمنا تھی کہ خود خلیفۂ وقت تشریف لاکر شرائطِ صلح طے کریں۔ فاروقِ اعظم نے اس روانگی کو رائے عامہ کے فیصلہ پر موقوف رکھا اور اس کے لئے شوریٰ طلب فرمایا۔

(۷) شورائے محاصل و تقسیم اراضی شام و عراق (سنہ ۱۶ ہجری) یہ شوریٰ عراق و شام کی مفتوحہ زمینوں کی بابت ہوا تھا کہ آیا یہ تقسیم کی جائیں یا ان کا محاصل بیت المال میں جمع کیا جاتے اور مفتوحہ اراضی کو حکومت کی ملک قرار دیا جائے۔

(۸) عراق پر عام لشکر کشی کی بابت شوریٰ (۲۱ھ ہجری) حضرت عمر چاہتے تھے کہ ایران پر آئے دن کی لشکر کشیوں اور بغاوتوں کا ہمیشہ کے لئے سدِّباب ہو جائے۔ اس غرض کے لئے ایک زبردست لشکر تیار کیا گیا۔ جس کی عام قیادت خود کرنا چاہتے تھے۔ ان ہی امور پر غور کرنے کے لئے یہ اجلاس منعقد ہوا تھا۔

(۹) تیسرا انتخابی شوریٰ (۲۳ھ ہجری) خلافت کے لئے مقررہ چھ اصحاب میں سے کسی ایک کا انتخاب اور اس کے لئے رائے عامہ سے استصواب۔

(۱۰) شورائے انتخاب چہارم (۳۵ھ ہجری) حضرت علی کے انتخاب کے لئے مہاجرین و انصار کا اجتماع اور اہل مدینہ سے استصواب۔

یوں تو حکومت کے ہر معاملہ میں اصحابِ در و لبست سے مشورہ لیا جاتا تھا، یہ ان میں سے چند اہم تاریخی اجلاس تھے جو بطور مثال پیش کئے گئے۔ بعض لوگ واقعات کے تمام پہلوؤں پر نظر نہ رکھنے کے سبب خلافت کو ایک نوع سے آمریت کے رنگ میں پیش کرنا چاہتے ہیں اور اپنے اس دعوے کے ثبوت میں حضرت ابوبکر و عمر کے دورِ خلافت کے چند واقعات کو پیش کرتے رہتے ہیں۔ ان کے اس دعوے کی کل کائنات جیشِ اسامہ کی روانگی، مانعینِ زکوٰۃ سے جہاد، خلیفۂ ثانی کی نامزدگی، اور مفتوحہ علاقوں کو فوج میں تقسیم نہ کرنا ہے۔ ان تمام واقعات کی صورت یہ تھی کہ یہ مسائل مجلس شوریٰ میں پیش کئے گئے تھے اور ان پر بحث مباحثہ کے بعد، جس میں خلیفہ کی صرف ایک رائے ایسی تھی جو سب سے منفرد اور علیحدہ تھی، لیکن جب خلیفہ نے کتاب و سنت اور اپنی قوتِ استدلال سے یہ ثابت کر دیا کہ وہ حق پر ہے، تو سب نے اس کو تسلیم کر لیا اور متفقہ طور پر اس کی منظوری دے دی۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بادی النظر میں انسان کے پیش نظر کسی مسئلہ کے تمام پہلو نہیں ہوتے، تو وہ اصل حقیقت کے فہم و ادراک سے قاصر رہتا ہے، لیکن جب اس کا ہر گوشہ اس کی نظروں میں اجاگر ہو جاتا ہے تو وہ حق کے ظاہر ہونے کے بعد اپنی سابقہ رائے سے رجوع کر لیتا ہے۔ حق پرستوں کا ہمیشہ سے یہی شیوہ رہا ہے یہاں کٹ حجتی اور اپنی بات کی پچ تو تھی نہیں کہ حقیقت کے

انکشاف کے بعد بھی اپنے خیال پر جھوٹی شان دکھانے کے لئے اڑے رہیں۔ ان واقعات میں اگرچہ اولاً خلیفہ اپنی رائے میں یکہ و تنہا تھا، اور اس وقت اس کی رائے کی حیثیت محض ایک تجویز کی سی تھی لیکن جب اس نے دلائل سے اس کو ثابت کر دیا تو مخالف رائے رکھنے والوں نے اس سے اتفاق کر لیا اور سب کی تائید سے یہ فیصلہ صادر ہوا کیا مطلق العنانی اور آمریت کو ذرا بھی اس میں دخل ہے۔

"کتنا غلط یہ حرف بھی مشہور ہو گیا"

اسلام میں اہل ذمہ کے حقوق اپنے ہم قوموں اور ہم مذہبوں کے ساتھ مساوات و برابری کا سلوک اتنا دشوار نہیں جتنا غیروں کے ساتھ اس پر عمل کرنا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے اسلام جو مساوات و اخوت کی تعلیم دیتا ہے وہ غیر مذہب والوں کو کیا حقوق عطا کرتا ہے، جو کسی اسلامی مملکت کی رعیت ہوں۔ آنحضرتؐ نے جن غیر قوموں پر جزیہ عائد فرمایا تھا، ان کو تحریر کے ذریعہ مفصلۂ ذیل حقوق عطا کئے گئے تھے۔

(۱) کوئی دشمن ان پر حملہ کرے گا تو اس کی مدافعت کی جائے گی۔

(۲) ان کو ان کے مذہب سے برگشتہ نہیں کیا جائے گا۔

(۳) ان کی جان، مال، زمین اور کاروانِ تجارت محفوظ رہیں گے۔

(۴) پادری، رہبان، گرجوں کے پجاری اپنے عہدوں سے برطرف نہیں کئے جائیں گے۔

(۵) پہلے سے ان کا جو مذہب و عقیدہ ہے وہ بدلوایا نہیں جائے گا۔

(۶) ان کا کوئی حق جو پہلے سے انھیں حاصل تھا وہ زائل نہیں ہو گا۔

اسلام قصاص کے معاملہ میں بھی غیر مذہب والوں کو مسلمانوں کے برابر رکھتا ہے یہ ایسا حق ہے جو بہت کم قومیں اپنے محکوموں کو دیتی ہیں۔ کیا یہ تاریخ کے حقائق اور بایں دعوئ تہذیب و تمدن دورِ حاضر کے واقعات نہیں ہیں کہ ایک حاکم قوم کے فرد کے عوض میں سینکڑوں محکوموں کو موت کے گھاٹ نہیں اتار اگیا۔ اسلام کی رواداری و نصفت شعاری کا اندازہ ان واقعات سے کیجئے اور پھر دیکھئے کہ اسلام کس بلند مقام پر انسانیت کو پہنچانا چاہتا ہے۔ قبیلہ بکر بن وائل کے

ایک مسلمان نے ایک یہودی کو مار ڈالا۔ حضرت عمر کو اس کی اطلاع دی گئی۔ آپ نے لکھ بھیجا کہ قاتل مقتول کے وارثوں کے حوالہ کر دیا جائے چنانچہ اس کو انھوں نے قتل کر دیا۔ حضرت علی کے دور خلافت میں بھی ایسا ہی ایک واقعہ پیش آیا۔ آپ نے قصاص کا حکم دیا۔ جب مقتول کے وارثوں نے آکر عرض کیا کہ ہم نے معاف کر دیا ہے، تو آپ نے فرمایا تم پر کچھ دباؤ تو نہیں ڈالا گیا۔ حضرت علی کے یہ الفاظ مساوات کا کس قدر بلند معیار پیش کرتے ہیں۔ "جو لوگ ذمی ہو چکے ہیں ان کا خون ہمارا خون ہے، اور ان کا خوں بہا ہمارا خوں بہا ہے"، اس سلسلہ میں حضرت عمر کی شہادت کا واقعہ قابل ذکر ہے۔ آپ کے قاتل کا نام فیروز تھا جو مجوسی النسل اور مذہباً عیسائی تھا۔ حضرت عمر کے صاحبزادہ عبید اللہ سے جب لوگوں نے بیان کیا کہ اس سازش میں فیروز کا بیٹا، جُفینہ، اور ہرمزان شریک تھے تو انھوں نے جذبۂ انتقام سے بے قابو ہو کر ان تینوں کو قتل کر ڈالا۔ عبید اللہ اسی وقت گرفتار کر لیئے گئے۔ حضرت عثمان کی خلافت میں جو پہلا مقدمہ پیش ہوا وہ یہی واقعہ تھا۔ خلیفہ نے صحابہ سے مشورہ کیا۔ سب کی یہی رائے ہوئی کہ قصاص کا حکم صادر کیا جائے۔ اس معاملہ میں حضرت علی کی بھی یہی رائے تھی۔ لیکن خلیفہ نے بعض مصلحتوں کے مدنظر بیت المال سے تینوں کا خوں بہا ادا کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت عثمان کی یہ پہلی کمزوری تھی جو اس مقدمہ کے فیصلہ میں ظاہر ہوئی

مال و جائداد کی حفاظت کا یہ عالم تھا کہ جو زمینات ذمیوں کے قبضہ میں تھیں، انھیں اسی طرح بحال رہنے دیا گیا۔ اسی بنا پر فقہ کا یہ مسلمہ مسئلہ ہے، جس کو قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج میں اس طرح بیان کیا ہے۔ یعنی امام وقت کو یہ اختیار نہیں کہ ذمیوں سے ان کی زمین چھین لے، وہ زمین ان کی ملک ہے، ان میں نسلًا بعد نسلٍ منتقل ہوتی رہے گی، وہ اس کی بیع و شرا بھی کر سکتے ہیں۔

تصحیح

برہان بابت ستمبر میں آلم صاحب کی جو غزل شایع ہوئی ہے اس کے چھٹے شعر کا دوسرا مصرعہ یوں پڑھا جائے گا ع گرم رفتارِ وفائے غم کی یہ منزل نہیں۔